نفاذِ شریعت اور تحفظ حقوقِ نسواں

جناب محمّد خالد سیف

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، یہ انتہائی پرفتن دور ہے، فتنہ و فساد کی آندھیاں ہر سُو چل رہی ہیں، انتشار اور خلفشار کے طوفان ہیں کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے، غداریوں اور سازشوں کے زلزلے ہیں، جو ہمارے قصرِ حیات میں دراڑ بلکہ شگاف پیدا کرتے چلے جا رہے ہیں، تباہی و بربادی ہے کہ اس میں آئے دن اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے، ہر طرف اضطراب ہی اضطراب، امن، چین اور سکون کے الفاظ لغت کی کتابوں میں تو موجود ہیں مگر آج ہماری اس دنیا میں ان کا کوئی وجود نہیں، لادینیت، الحاد، تشکیک، زندیقیت اور مختلف "ازموں" کی بادِ صرصر سے ایمان کی کھیتی مرجھا گئی ہے اور دلوں کی دنیا بنجر اور بے آباد ہو گئی ہے، نئی نئی بیماریاں انسانی روح کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں، ساری انسانیت درد و کرب سے چیخ چیخ اٹھی ہے اور سو بھیس بنا لینے والی عقلِ عیار بھی جواب دے رہی ہے کہ وہ ان بیماریوں کے علاج سے عاجز و قاصر ہے ؎

دلِ گیتی انا المسموم انا المسموم فریادش
خرد نالاں کہ ما عندی بتریاقِ ولا راق

امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف التحیۃ والتسلیم جسے كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ — تم بہترین امّت ہو — کے لقب سے نوازا گیا تھا اور جسے أَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ — تم ہی بلند و برتر ہو — کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا تھا، آج اس پر بھی

نہ صرف یہ کہ فتح و نصرت کے دروازے بند ہیں بلکہ یہ امت دوسروں کی نسبت کچھ زیادہ ہی دن بہ دن اجتماعی انحطاط کی طرف لڑھکتے چلے جا رہی ہے۔

اگر ہم ان شقاوتوں کو سعادتوں سے بدلنا چاہتے ہیں، ان شکستوں اور نامرادیوں کے عوض نصرتوں اور کامرانیوں کے خواہاں ہیں اور آلام و مصائب کا تختۂ مشق بننے کے بجائے امن، چین اور سکون کے متلاشی ہیں، تو آئیے پھر اسی خدائے ذوالجلال والاکرام کو لگالیں جس نے ہمارے ساتھ فتح و نصرت کے وعدے فرمائے ہیں اور پھر سے اس عہد و پیماں پر کاربند ہو جائیں، جو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم نے اللہ تعالیٰ سے کر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اس کے ارشادات اور اس کے محبوب پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے مطابق اپنی عملی زندگیاں اپنائیں گے، مگر افسوس کہ آج مسلمان رشد و ہدایت کے ان حقیقی سرچشموں سے اعراض کر رہے ہیں، کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے دامن کو چھوڑ کر، منکرینِ خدا و رسول کے ملحدانہ افکار و نظریات اور فلسفہ و عقائد کو اپنا رہے ہیں حالانکہ درحقیقت اسلامی شریعت کا نفاذ ہی ہماری بیماریوں کا علاج، تمام دردوں کا درماں اور دکھوں کا مداوا ہے اور ہم مسلمانوں کے لیے اس دورِ پُرفتن میں اگر کوئی چیز ذریعۂ نجات بن سکتی ہے، تو وہ صرف اور صرف شریعت بیضا اور دینِ اسلام کا مکمل نفاذ ہے اور اس کے مطابق پورا پورا عمل، شریعت ہی ہمارا دستور و منشور ہے اور شریعت ہی ہمارا آئین و قانون ہے اور اسی مقصد کے حصول کی خاطر ہم نے یہ خطۂ پاک سرزمین حاصل کیا تھا یعنی

پاکستان کا مطلب کیا

لا الٰہ الا اللہ!

اسی مقصود و مطلوب کی خاطر ہم نے بے پناہ قربانیاں دی تھیں، آلام و مصائب کا تختۂ مشق بنے، خاک و خون میں تڑپے، جگر لختوں کو لخت لخت ہوتے برداشت کر لیا اور عفتوں اور عصمتوں کے تقدس کی بے حرمتی کو سہہ لیا تھا، اسی مقصود و مطلوب کی خاطر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کے وطن مالوف کو خیرباد کہا تھا، سنگلاخ وادیوں کو طے کیا، خارزار گھاٹیوں سے گزرے اور پھر بے حد و حساب اور بے شمار نو دمیدہ کلیوں، نوشگفتہ غنچوں، عفت

تاب دوشیزاؤں، رعنا جوانوں اور مقدس بوڑھوں کی گردنوں کے پاک اور پوتر خون پر اس وطن عزیز کی بنیادوں کو استوار کیا تھا تاکہ لیلائے آزادی سے ہم کنار ہوکر دینِ متین اور شریعتِ بیضا کے مطابق زندگی بسر کرسکیں مگر آہ! صد آہ!! صبحِ تمنا کے بجائے شامِ حسرت کے سائے دراز سے دراز تر ہوتے چلے گئے اور پھر ظلمتوں اور تاریکیوں نے اس قدر طول کھینچا کہ ٹامک ٹوئیے مارتے ہوئے، شریعتِ بیضا کے شاہراہِ مستقیم کو چھوڑ کر شیطانی پگڈنڈیوں پر چلتے ہوئے چالیس برس سے بھی زیادہ عرصہ بیت گیا مگر سعادتوں اور سرفرازیوں کا سپیدۂ سحر نمودار نہ ہوسکا، جب کہ قرآن مجید ہمیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اس طرح پکار رہا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً
وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط اِلَى اللّٰهِ
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝
وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ
وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ط
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ
ذُنُوْبِهِمْ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ
يَبْغُوْنَ ط وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝[۱]

ترجمہ: اے محمد! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی ہے جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے، اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے لہٰذا تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے، اس سے منہ موڑ

---

[۱] المائدہ: ۴۸ - ۵۰۔

کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہِ عمل مقرر کی ہے، اگر تمہارا اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا لیکن اس نے یہ اس لیے کیا کہ جو کچھ اس نے تم لوگوں کو دیا ہے، اس میں تمہاری آزمائش کرے لہذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو آخر کار تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو، پس اے محمدؐ! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ بھر منحرف نہ کرنے پائیں، جو اللہ نے تمہاری طرف نازل کی ہے پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں (اگر یہ اللہ کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں، ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔"

ان آیات کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی ہدایت کے لیے تورات اور عیسائیوں کی ہدایت کے لیے انجیل کے نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور ان لوگوں کو اپنی اپنی شریعت کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○

(جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی کافر ہیں۔)

پھر فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○

(جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

اور پھر فرمایا:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔[1]

(اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی فاسق ہیں۔

یعنی جس ملک، معاشرے اور قوم کے افراد اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون یعنی شریعت کو نافذ نہیں کرتے تو وہ تین بڑے جرائم یعنی (۱) کفر (۲) ظلم اور (۳) فسق کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ ایسے سنگین جرائم ہیں کہ آخرت میں ان کی جو سزا ہے، وہ تو ہے ہی مگر اپنے دنیوی قانون جرم و سزا کے مطابق اللہ تعالیٰ ان جرائم کی دنیا میں بھی سزا دیتا ہے؛ چنانچہ اس سلسلہ میں "سنن ابن ماجہ" کی حسب ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ خَمْسٌ اِذَا ابْتُلِيْتُمْ بِهِنَّ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ تُدْرِكُوْهُنَّ، لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا اِلَّا فَشَى فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ وَالْاَوْجَاعُ الَّتِيْ لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ اَسْلَافِهِمُ الَّذِيْنَ مَضَوْا، وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِلَّا اُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ وَشِدَّةِ الْمَؤُنَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ، وَلَمْ يَمْنَعُوْا زَكٰوةَ اَمْوَالِهِمْ اِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَآءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ لَمْ يُمْطَرُوْا، وَلَمْ يَنْقُضُوْا عَهْدَ اللّٰهِ وَعَهْدَ رَسُوْلِهٖ اِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ، عَدُوًّا مِّنْ غَيْرِهِمْ فَاَخَذُوْا بَعْضَ مَا فِيْ اَيْدِيْهِمْ، وَمَا لَمْ تَحْكُمْ اَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَيَتَخَيَّرُوْا مِمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ۔[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت

---

[1] سورۃ المائدہ: ۴۴ - ۴۷

[2] سنن ابن ماجہ، باب العقوبات (پہلی حدیث)

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مہاجرین! پانچ کاموں میں مبتلا نہ ہو جانا اور یہ اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم ان میں مبتلا ہو جاؤ (پھر آپ نے ان پانچ کاموں اور ان کے انجام کی حسب ذیل تفصیل بیان فرمائی)

ا ۔ جس قوم میں عیاشی و فحاشی اس قدر عام ہو جائے کہ وہ سرِ عام اور علانیہ طور پر اس کا ارتکاب کرنے لگے، تو اللہ تعالیٰ اسے طاعون اور ایسی ایسی مہلک بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے، جن سے اس کے آبا و اجداد محفوظ تھے۔

۲ ۔ جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں، تو اللہ تعالیٰ ان پر قحط سالی، معیشت کی تنگی اور ظالم حکمرانوں کو مسلط کر دیتا ہے۔

۳ ۔ جو قوم اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اسے بارانِ رحمت سے محروم کر دیتا ہے اور اگر چوپائے اور جانور نہ ہوں تو انہیں بارش کا ایک قطرہ بھی نہ ملے۔

۴ ۔ جو قوم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو توڑ دے، تو اللہ تعالیٰ ان پر ان کے کسی بیرونی دشمن کو مسلط کر دیتا ہے جو ان کے ملک اور حکومت کے ایک حصّے کو چھین لیتا ہے۔

۵ ۔ جس قوم کے حکمران کتاب اللہ کے مطابق فیصلے نہ کریں اور وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کو (دستور و آئین کے طور پر) اختیار نہ کریں تو اللہ تعالیٰ اسے باہمی انتشار و خلفشار میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ویسے تو اس حدیث شریف میں مذکور تمام نکات ہی خصوصی غور و فکر کے متقاضی ہیں لیکن ہم اس وقت اپنے قارئینِ کرام کی توجہ آخری دو نکات کی طرف مبذول کرانا بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ آپ تمام حضرات جانتے ہیں اور ہم اپنے اس مقالہ میں قبل ازیں یہ بیان بھی کر آئے ہیں کہ ہم نے اس پاک خطۂ سرزمین کے حصول کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم اس وطن عزیز کو اسلام کا گہوارہ بنائیں گے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ احکام و قوانین کے مطابق زندگی بسر کریں گے، اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم، رحمت اور توفیق سے ہمیں آزاد وطن تو عطا فرما دیا مگر آزادی کے بعد ہم نے ان تمام وعدوں کو فراموش کر دیا، جو ہم نے اللہ تعالیٰ سے کیے تھے، اللہ رب ذوالجلال نے بھی ہمیں ربع صدی سے زیادہ عرصہ تک مہلت دیئے رکھی مگر جب ہم تمام حدود سے تجاوز کر گئے اور عہد و پیمان کی تمام دھجیوں کو بڑی بے دردی سے فضائے بسیط میں اُڑا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دنیوی قانونِ جرم و سزا کے مطابق یہ سزا دی کہ اس نے ہمارے سروں پر ہمارے ایک دشمن کو مسلط کر دیا اور اس نے ہمارے ملک کے ایک حصّے کو کاٹ کر ہم سے جُدا کر دیا، اتنے بڑے حصے کو کاٹ کر الگ کر دیا، جو مصر جیسے دو ملکوں کے برابر ہے۔ عہد شکن قوم کو اپنے ملک و اقتدار کے ایک حصے سے محروم کر کے درحقیقت ایک جھٹکا دیا جاتا اور سنبھلنے کا ایک موقعہ بھی دیا جاتا ہے اگر وہ سنبھل جائے اور تلافی مافات کی کوشش کرے تو یہ اس کی خوش بختی ہے اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو پھر اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اسے صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے، بس یہی وہ نکتہ ہے، جس کی طرف میں اپنی قوم کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

اسی طرح دوسری اہم بات جس کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری ہے وہ انتشار و خلفشار کی یہ موجودہ فضا ہے جو اس وقت وطن عزیز پر طاری ہے۔ ہم جو ہر طرف انتشار ہی انتشار اور خلفشار ہی خلفشار دیکھتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں میں اختلاف، ہمارے سیاستدانوں میں انتشار، حضرت علمار کرام ایک دوسرے سے برسرِ پیکار اور پوری قوم عجیب اضطراب میں مبتلا ہے تو یہ بھی درحقیقت حدیث شریف میں مذکور آخری نکتہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے دنیوی قانونِ جرم و سزا کے مطابق عذابِ الٰہی کی ایک صُورت ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد سے لے کر اب تک کبھی بھی نفاذ شریعت کے لیے کوئی مخلصانہ کوشش نہیں ہوئی اور اگر کبھی کوئی تھوڑی بہت کوشش ہوئی بھی تو بعض حلقوں کی طرف سے اس قدر طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا گیا کہ نہ معلوم نفاذِ شریعت سے کیا قیامت ٹوٹ پڑے گی، کبھی اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ قرار دیا گیا، کبھی نظامِ معیشت

کی تباہی کا رونا رویا گیا، کبھی کوئی پروپیگنڈہ کیا گیا اور کبھی کوئی! اللہ و رسول کے باغیوں اور اسلامی شریعت کے منکروں نے اس سلسلہ میں ایک یہ غلط پروپیگنڈہ بھی کیا کہ اسلامی شریعت کے نفاذ کے بعد عورتیں اپنے حقوق سے محروم ہو جائیں گی حالانکہ اسلام ہی وہ دینِ رحمت ہے جس نے عورتوں کے حقوق کا سب سے زیادہ تحفظ کیا ہے، اسلام نے عورتوں کے حقوق و فرائض میں اس قدر توازن اور اعتدال پر مبنی تصوّر پیش کیا ہے کہ مذاہبِ عالم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی مگر غلط پروپیگنڈہ کے ذریعہ ہماری قابلِ صد احترام خواتین کو ہمیشہ گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی لہٰذا آج کی صحبت میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ دینِ اسلام اور شریعتِ مصطفوی میں حقوقِ نسواں کا کس قدر تحفظ کیا گیا ہے۔

ہم نے جو یہ عرض کیا ہے کہ اسلامی شریعت کے نفاذ کے لیے جب بھی کوئی کوشش ہوئی، غلط پروپیگنڈہ کر کے ہماری معزز خواتین کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی مثلاً ۱۹۷۹ء میں جب حدود آرڈیننس جاری کیا گیا تو مخالفین نے آسمان سر پر اٹھا لیا اس آرڈیننس کی مخالفت میں طرح طرح کے حربے اختیار کیے گئے، عورتوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی کہ انہیں ان کے حقوق سے محروم کیا گیا حتیٰ کہ ان جرائم میں انہیں شہادت کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ "پاکستان کمیشن" نے "خواتین کے مقام و مرتبہ" کے موضوع پر ایک رپورٹ مرتب کی، اس رپورٹ کے باب نمبر ۸ میں مختلف قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے سلسلہ میں جو سفارشات کی گئی ہیں، ان میں سے ایک سفارش یہ بھی ہے:

> "حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء میں خواتین کو زنا، شراب نوشی، قذف اور چوری کے جرائم میں شہادت دینے سے محروم رکھا گیا ہے۔ ہر مقدمہ میں اثباتِ جرم کے لیے دو/چار بالغ مسلمان مرد گواہوں کی شہادت لازمی ٹھہرائی گئی ہے لہٰذا اس قانون میں ترمیم کی جائے تاکہ خواتین اور اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد بھی شہادت دینے کے اہل ہو سکیں۔"

اسی طرح اور بھی بہت سے حلقوں کی طرف سے مسلسل آواز اٹھائی گئی اور اب تک اٹھائی جا رہی ہے کہ یہ عورتوں کی حق تلفی ہے کہ انہیں ان مسائل میں شہادت سے محروم رکھا گیا

ہے لہٰذا ہم سب سے پہلے مسئلہ شہادت ہی کا جائزہ لیتے ہیں۔

مسئلہ شہادت اور خواتین

سب سے پہلے بنیادی اصولی بات یہ ہے کہ مختلف مسائل میں اسلام نے نصابِ شہادت کے سلسلہ میں جو تصوّر پیش کیا ہے، اگر اسے پیشِ نظر رکھا جائے تو تمام شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کا ازخود ازالہ ہو جاتا ہے لہٰذا درجِ ذیل سطور میں ہم اسلام کے مقرر کردہ نصابِ شہادت پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں:

نصابِ شہادت

شہادت کا تعلق مالی حقوق سے ہوگا یا جسمانی حقوق سے یا پھر حدود اور قصاص کے مسائل سے ہوگا، چنانچہ ان تمام حالات میں سے ہر ہر حالت میں اثباتِ دعویٰ کے لیے نصابِ شہادت کی شریعت نے مختلف صورتیں مقرر فرمائی ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

چار مردوں کی شہادت

حدِّ زنا میں نصابِ شہادت چار مردوں کی گواہی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْہِدُوْا عَلَیْہِنَّ اَرْبَعَۃً مِّنْکُمْ [1]

"مسلمانو! تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں، تو ان پر اپنے لوگوں میں سے چار مردوں کی شہادت لو۔"

اللہ ربّ ذوالجلال والاکرام نے دوسرے مقام پر فرمایا ہے:

---

[1] النسآء: ۱۵

"وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاۗءَ"[1]

اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا عیب لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں۔

اسی طرح ایک تیسرے مقام پر بھی اللہ جل شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَوْلَا جَاۗءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاۗءَ[2]

یہ اپنی بات (کی تصدیق) کے لیے چار گواہ کیوں نہ لائے۔

ان آیاتِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدِّ زنا کے سلسلہ میں نصاب چار مردوں کی شہادت ہے۔ زنا چونکہ ایک انتہائی سنگین نوعیت کا جرم اور اللہ ربّ ذو الجلال والاکرام کی بہت بڑی معصیت اور نافرمانی ہے اس لیے اس کی سزا بھی انتہائی سنگین ہے لہٰذا شہادت کا نصاب بھی یہاں انتہائی درجے کا رکھا گیا ہے تاکہ کوئی بے گناہ ناجائز طور پر نہ مارا جائے یاد رہے جرمِ زنا میں نصابِ شہادت چار مردوں کی گواہی نہ صرف قرآن مجید میں مذکور ہے بلکہ تورات اور انجیل میں بھی اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا تھا، چنانچہ ہماری اس بات کی تائید و تصدیق حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ یہودی عدالتِ نبوی میں ایک ایسے مرد اور عورت کو لے کر آئے جنہوں نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پاس اپنے دو ایسے آدمی بھی لاؤ جو تمہاری شریعت کے سب سے بڑے عالم ہوں؟ چنانچہ یہودیوں نے عدالتِ نبوی میں صوریا نامی ایک شخص کے دو بیٹوں کو پیش کیا تو آپ نے انہیں اللہ کی قسم دے کر یہ پوچھا:

كَيْفَ تَجِدَانِ اَمْرَ هٰذَيْنِ فِي التَّوْرَاةِ؟

تم اس بدکار جوڑے کی بابت تورات میں کیا حکمِ الٰہی پاتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا:

نَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ اِذَا شَهِدَ اَرْبَعَةٌ اَنَّهُمْ رَأَوْا ذَكَرَهٗ فِيْ

---

[1] سورۃ النور: ۴

[2] سورۃ النور: ۱۳

فَرَجِهَا مِثْلَ الْمِيْلِ فِي الْمِكْحَلَةِ رُجِمَا۔

"تورات میں ہم یہ حکم الٰہی لکھا ہوا پاتے ہیں کہ جب چار مرد یہ شہادت دے دیں کہ انہوں نے مرد کے آلۂ تناسل کو عورت کے اندامِ نہانی میں اس طرح دیکھا ہے، جس طرح سرمہ لگانے کی سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے تو انہیں رجم کر دیا جائے۔"

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَمَا يَمْنَعُكُمَا اَنْ تَرْجُمُوْهُمَا؟

پھر تم ان دونوں کو رجم کیوں نہیں کرتے؟

یہودیوں نے جواب دیا:

"ہماری بادشاہت ختم ہو چکی ہے اور ہم قتل کو ناپسند کرتے ہیں۔"

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہوں کو طلب فرمایا؛ چنانچہ چار مرد گواہوں نے یہ شہادت دی کہ انہوں نے اس مرد کے آلۂ تناسل کو اس عورت کی شرم گاہ میں اسی طرح دیکھا ہے، جس طرح سرمہ لگانے والی سلائی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مرد گواہوں کی شہادت کے بعد رجم کا فیصلہ صادر فرمایا اور اس بدکار جوڑے کو سنگسار کر دیا گیا[1]

یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج کل بعض اہلِ علم یہاں عدد و معدود کی لفظی بحث شروع کر کے غلط استدلال کرتے ہیں جب کہ سلفاً عن خلفٍ اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے کہ اس آیتِ مبارکہ (النساء: ۱۵) میں اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ سے مراد چار مرد ہیں؛ چنانچہ امام ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی رحمۃ اللہ علیہ (۴۶۸-۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِهٖ هٰهُنَا الذُّكُوْرُ دُوْنَ الْاِنَاثِ لِاَنَّهٗ سُبْحَانَهٗ

---

[1] سنن ابی داؤد (حدیث نمبر ۴۴۵۲)، سنن الدار قطنی ج ۴ ص ۱۷۰، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۷۱، تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۸۳، ۸۴، احکام القرآن، ابن العربی، ج ۱ ص ۴۵۹۔

ذَكَرًا قَوْلًا مِنْ "نِسَائِكُمْ" ثُمَّ قَالَ مِنْكُمْ فَاقْتَضَى ذٰلِكَ اَنْ يَّكُوْنَ الشَّاهِدُ غَيْرَ الْمَشْهُوْدِ عَلَيْهِ وَلَا خِلَافَ فِيْ ذٰلِكَ بَيْنَ الْاُمَّةِ [1]

"یہاں چار گواہوں سے مراد چار مرد گواہ ہیں، عورتیں نہیں کیونکہ یہاں اللہ سبحانہ، وتعالیٰ نے پہلے "مِنْ نِسَائِكُمْ" کا لفظ ذکر فرمایا اور پھر مِنْكُمْ فرمایا تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ شاہد اور مشہود علیہ الگ الگ ہوں، چنانچہ اس بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہاں مراد چار مرد گواہ ہیں"

اسی طرح امام المفسرین ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

وَلَا بُدَّ اَنْ يَّكُوْنَ الشُّهُوْدُ ذُكُوْرًا لِقَوْلِهٖ مِنْكُمْ وَلَا خِلَافَ فِيْهِ بَيْنَ الْاُمَّةِ [2]

یہاں یہ از بس ضروری ہے کہ گواہ مرد ہوں کیونکہ "مِنْكُمْ" کا تقاضا یہی ہے اور اس مسئلہ میں پوری اُمت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یاد رہے یہاں فقہائے ظاہریہ نے جو ہر مرد کے بجائے دو عورتوں کی شہادت کو بھی قابلِ قبول قرار دیا ہے یعنی ان کے نزدیک چار مردوں کے بجائے اگر آٹھ عورتیں شہادت دیدیں تو یہ بھی جائز ہے نیز عطأ نے تین مردوں اور دو عورتوں کی شہادت کو بھی جو مقبول قرار دیا ہے تو یہ ایک شاذ قول ہے، جسے امت میں پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی۔

تین مردوں کی شہادت

جب کوئی شخص اپنے فقیر ہونے کا دعویٰ کرے تاکہ وہ زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا جا سکے،

---

[1] احکام القرآن، ابن العربی ج ۱ ص ۲۶۰، مسئلہ ۱۰

[2] الجامع لاحکام القرآن، قرطبی ج ۵ ص ۸۴ مسئلہ ۶

جبکہ اس کے بارے میں مشہور یہ ہو کہ وہ دولت مند ہے تو اسے اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے تین مردوں کی شہادت پیش کرنا ہوگی جیسا کہ حضرت قَبِیصَہ بن مُخَارِق ہلالی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ثابت ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

وَرَجُلٌ اَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُوْلَ ثَلَاثَةٌ مِّنْ ذَوِي الْحِجَا مِنْ قَوْمِهٖ لَقَدْ اَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْئَلَةُ[1]

(تیسرا شخص) جس شخص کے لیے سوال کرنا جائز ہے، وہ ہے جو فاقہ زدہ ہو جائے اور اس کی قوم کے تین عقل مند مرد یہ شہادت دے دیں کہ فلاں شخص فاقہ زدہ ہو گیا ہے، تو اس کے لیے بھی سوال کرنا جائز ہے۔

دو مردوں کی شہادت

تمام مالی و جسمانی حقوق اور تمام حدود میں صرف دو مردوں ہی کی شہادت قابلِ قبول ہے، عورتوں کی شہادت قابلِ قبول نہیں ہے ہاں البتہ حدِّ زنا میں دو کے بجائے چار مردوں کی شہادت ضروری قرار دی گئی ہے، جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ یاد رہے تمام فقہائے کرام کے نزدیک حدود میں عورتوں کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ طلاق اور رجوع کے مسائل کے ضمن میں بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ[2]

اور اپنے میں سے دو عادل مردوں کو گواہ بنا لو۔

اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ جب حضرت اشعث بن قیس کندی رضی اللہ عنہ

---

[1] صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۷-۹۸، سنن ابی داؤد (حدیث نمبر ۱۶۴۰) سنن نسائی ج ۱ ص ۳۶۲-۳۶۳، سنن الدارمی ج ۱ ص ۳۹۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۵۸، المنتقی لابن الجارود (حدیث نمبر ۳۶۷) السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۱، ۲۳، مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۷، ج ۵ ص ۶۰۔

[2] سورۃ الطلاق: ۲

کا ایک شخص کے ساتھ کنوئیں کے بارے میں جھگڑا ہوا اور یہ کیس عدالتِ نبوی میں پیش ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعث بن قیسؓ کو یہ حکم دیا تھا کہ :

شَاهِدَاكَ أَوْ يَمِينُهُ[1]

تم دو گواہ پیش کرو یا پھر تمہارے مدمقابل سے حلف لیا جائے گا۔

دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ج فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدٰهُمَا الْأُخْرٰى[2]

"اور اپنے میں سے دو مردوں کو (ایسے معاملے کے) گواہ بنا لیا کرو، اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم بطورِ گواہ پسند کرو (کافی ہیں) کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے"

تمام مالی معاملات، مثلاً بیع، قرض، اجارہ، رہن، اقرار اور غصب وغیرہ کے مسائل میں بھی مذکورہ بالا نصابِ شہادت ہے، فقہائے احناف کے نزدیک تمام مالی امور نیز نکاح طلاق اور رجوع کے مسائل میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی شہادت بھی قابلِ قبول ہے مگر حدود اور قصاص میں قابلِ قبول نہیں ہے، فقہائے حنابلہ میں سے امام ابن قیمؒ نے بھی اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔ امام مالکؒ، ائمہ شافعیہ اور دیگر بہت سے ائمہ کرام اور

---

[1] صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۵۹؛ صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۶، السنن الکبریٰ للامام النسائی ج ۶ ص ۲، السنن الکبریٰ للامام البیہقی ج ۱۰ ص ۲۶۱، مسند الامام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۱۱، ارواء الغلیل، علامہ البانی ج ۸ ص ۲۶۲۔

[2] البقرۃ : ۲۸۲۔

فقہائے عظام کا بھی یہی مذہب ہے کہ عورتوں کی شہادت صرف مالی امور اور ان کے متعلقات میں تو قابلِ قبول ہے مگر حدود اور قصاص کے مسائل میں قابلِ قبول نہیں ہے۔

ایک آدمی کی شہادت

اذان، نماز، روزہ اور دیگر عبادات کے سلسلہ میں صرف ایک آدمی کی شہادت قابلِ قبول ہے جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے، تو آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور دوسرے لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دے دیا[1]

فقہائے احناف نے بعض استثنائی حالات مثلاً ولادت، استاد کی شاگردوں کے معاملات میں شہادت جرح و تعدیلِ شہود کے بارے میں شہادت، عزلِ وکیل اور عیبِ مبیع وغیرہ میں بھی ایک آدمی کی شہادت کو مقبول قرار دیا ہے۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاکم یا قاضی کے لیے ایک آدمی کی شہادت کی بنیاد پر بھی فیصلہ کرنا جائز ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رویتِ ہلال کے سلسلہ میں ایک ہی شخص کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے نیز سلب کے ایک کیس میں بھی آپ نے ایک ہی آدمی کی شہادت کو قبول فرمایا ہے، اسی طرح خواتین سے متعلق مخصوص مسائل میں بھی آپ نے ایک ثقہ عورت کی شہادت کو بھی قبول فرمایا ہے۔ حضرت امام ابو داؤد سجستانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "سنن" میں ایک باب کا عنوان ہی یہ قائم فرمایا ہے کہ:

بَابٌ إِذَا عَلِمَ الْحَاكِمُ صِدْقَ الشَّاهِدِ الْوَاحِدِ يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَحْكُمَ بِهِ"

---

[1] یہ روایت سنن الدارمی، سنن ابی داؤد، سنن الدارقطنی، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم اور السنن الکبریٰ للبیہقی کے علاوہ اور بھی کئی کتبِ حدیث میں موجود ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے التلخیص الحبیر، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ج ۲ ص ۱۸۷

(جب شاہد ایک ہو اور حاکم کو یہ معلوم ہو کہ وہ سچا ہے تو اس ایک شاہد کی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کرنا جائز ہے۔

شہادتِ رضاعت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور امام احمدؒ کا مذہب یہ ہے کہ رضاعت کے سلسلہ میں تنہا مرضعہ کی شہادت ہی مقبول ہے کیونکہ صحیح بخاری شریف میں یہ حدیث موجود ہے کہ جب عقبہ بن حارث نے ام یحییٰ بنت ابی اہاب سے شادی کر لی تو ایک عورت نے کہا کہ میں نے تو تم دونوں کو دودھ پلایا تھا؛ چنانچہ عقبہ نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں استفسار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اب یہ نکاح کیسے باقی رہ سکتا ہے جب کہ یہ بات کہہ دی گئی ہے؛ چنانچہ عقبہ نے اس عورت سے علیحدگی اختیار کر لی اور اس نے کسی اور سے شادی کر لی۔

احناف کا مذہب یہ ہے کہ رضاعت کا مسئلہ بھی دیگر مسائل ہی کی طرح ہے یعنی اس کے لیے بھی دو آدمیوں یا ایک آدمی اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے، صرف مرضعہ کی شہادت کافی نہ ہوگی۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے جب کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک مرضعہ کی شہادت مع دیگر تین عورتوں کے مقبول ہوگی بشرطیکہ رضاعت کے ساتھ اجرت وغیرہ کا مسئلہ درپیش نہ ہو۔ ائمہ ثلاثہ نے حدیثِ عقبہ کا جواب یہ دیا ہے کہ اسے استحباب اور شکوک و شبہات سے اجتناب پر محمول کیا جائے گا۔

شہادتِ استہلال

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے استہلال (یعنی بوقت ولادت بچے کے رونے) کے لیے صرف دایہ کی شہادت ہی کو جائز قرار دیا ہے۔ امام شعبیؒ، نخعیؒ، قاضی شریحؒ اور سیدنا حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا بھی مذہب یہی ہے، امام

مالکؒ کا مذہب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی رضاعت کی طرح دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ حضرت الامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثبوتِ استہلال کے لیے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے، جب کہ اس شہادت کا تعلق ثبوتِ میراث سے بھی ہو اور اگر شہادت اس کی نمازِ جنازہ یا غسل کے لیے مطلوب ہو تو پھر ایک عورت ہی کی شہادت کافی ہے۔

فقہائے حنابلہ کے نزدیک عورتوں کے مخصوص مسائل میں ایک عادل عورت کی شہادت بھی مقبول ہے جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دایہ کی شہادت کو قبول فرما لیا تھا[۱]

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ مختلف مسائل اور مختلف حالات میں شریعت نے نصابِ شہادت مختلف رکھا ہے، اس میں کمی بیشی کا ہمیں کوئی اختیار ہی حاصل نہیں بلکہ جن مصلحتوں اور حکمتوں کے پیشِ نظر ۔ خواہ ہمیں ان کا علم ہو یا نہ ہو۔ شریعت نے نصاب شہادت کی جو مختلف صورتیں مقرر کی ہیں، ہمیں ان کی پابندی کرنا بہر حال لازم ہے۔ شریعتِ بیضا اور دینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود اور قصاص کے مسائل میں عورتوں کی شہادت کو مشروع قرار نہیں دیا اور خیر القرون میں ۔ عمل بھی اسی کے مطابق تھا۔ جیسا کہ حضرت امام زہریؒ کی درج ذیل روایت سے ثابت ہے کہ:

مَضَتِ السُّنَّةُ مِنْ لَّدُنِ النَّبِيِّ صلی اللّٰہُ علیہ وسلم وَالْخَلِيفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهٖ اَنْ لَّا شَهَادَةَ لِلنِّسَاءِ فِي الْحُدُوْدِ وَالْقِصَاصِ[۲]

---

[۱] سنن الدارقطنی (حدیث نمبر ۵۲۴)، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۱۔

[۲] مصنف ابن ابی شیبہ (۱۱/۷۹/۲)، اسی طرح امام شعبی، نخعی، حسن اور ضحاک سے بھی روایت ہے کہ لاتجوز شہادۃ النسآء فی الحدود (حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں) نیز مصنف عبدالرزاق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لاتجوز شہادۃ النسآء فی الحدود والدمآء (حدود اور قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں) ملاحظہ فرمائیے: نصب الرایۃ لأحادیث الہدایۃ، حافظ زیلعیؒ، ج ۴ ص ۷۹۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے دونوں خلیفوں حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک سے یہ سنت چلی آرہی ہے کہ حدود اور قصاص میں عورتوں کی شہادت نہیں ہے)

جن مسائل میں شریعت نے عورتوں کو شہادت کا مکلف ہی قرار نہیں دیا، ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ترمیم کا تکلف کرکے ان مسائل میں بھی عورتوں کو شہادت کے لیے مجبور کریں۔ مختصر یہ کہ اس امر پر تمام ائمہ کرام و فقہاء عظام کا اجماع ہے کہ حد زنا کے لیے یہ ضروری ہے کہ گواہ چار عادل مسلمان مرد ہوں جیسا کہ حسب ذیل ارشادات باری تعالیٰ سے ثابت ہے:

۱۔ لَوْلَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝[۱]

یہ (افتراء پرداز) اپنی بات (کی تصدیق) کے لیے) چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب یہ گواہ نہ لاسکے تو اللہ کے نزدیک یہی جھوٹے ہیں۔

۲۔ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ[۲]

(مسلمانو! تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں، ان پر اپنے لوگوں میں سے چار مردوں کی شہادت لو۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ[۳]

(اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں پر بدکاری کا الزام لگائیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں)۔

---

[۱] سورۃ نور: ۱۳

[۲] سورۃ نسآء: ۱۵

[۳] سورۃ نور: ۴

اسی طرح سرورِ کائنات، فخرِ موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

أَرْبَعَةُ شُهُودٍ وَإِلَّا حَدٌّ فِي ظَهْرِكَ [1]

(چار گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پشت پر حد لگے گی۔

ان تمام دلائل سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حدود و قصاص کے مسائل میں عورتوں کی شہادت قطعاً قابلِ قبول نہیں ہے، مردوں کے ساتھ مل کر بھی نہیں اور تنہا بھی نہیں لہٰذا پاکستان کمیشن، خواتین کے مختلف حلقوں اور بعض متجدد حضرات کی اس رائے سے قطعاً اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ء میں ترمیم کر کے حدود و قصاص کے مسائل میں بھی خواتین کو شہادت دینے کا اہل تصوّر کیا جائے۔

ہم یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ محض غلط پروپیگنڈہ ہے کہ ان مسائل میں عورتوں کی شہادت کو قبول نہ کر کے انہیں ان کے حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے بلکہ بات درحقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل میں عورتوں کو ملوث نہ کر کے شریعت نے ان کے تقدس، احترام اور عزت و آبرو کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے خصوصاً آج کل ہمارے تھانوں اور عدالتوں میں جو طریق کار مروج ہے، اس کے پیشِ نظر تو اچھے خاصے مرد حضرات بھی شہادت دینے سے گریز کرتے ہیں لہٰذا پاکستان کمیشن اور فیشن زدہ حضرات اگر عورتوں کے حال پر رحم کریں اور انہیں اس وادیٔ پُرخار ع

اسے میخانہ کہتے ہیں، یہاں پگڑی اچھلتی ہے

میں نہ ہی گھسیٹیں تو یہ ہماری خواتین کے محترم طبقہ پر کرم ہوگا۔

غلط پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر یا جذبات کی رو میں بہہ کر ان نازک مسائل میں شہادت دینے کے لیے بے قرار محترم خواتین کو یہ بات بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ گواہوں میں سے ایک بھی اپنے بیان سے منحرف ہو گیا تو اس صورت میں تمام گواہوں پر حدِّ قذف لگے گی جو اسیّ کوڑے ہے۔ کیا ہماری تقدس مآب خواتین اس سزا کو قبول کرنے کے

---

[1] مسند ابو یعلی موصلی، بروایت انس بن مالک، صحیح البخاری بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ بحوالہ نصب الرایۃ، ج ۳ ص ۳۰۶ -

لیے تیار ہیں ؟

مسئلہ شہادت ہمارے علمی حلقوں میں چونکہ کافی عرصہ سے موضوعِ نزاع بنا ہوا تھا اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس مسئلہ پر اس انداز سے روشنی ڈالی جائے کہ اس مسئلہ کے تمام پہلو قارئین کرام کے فکر و نظر کے سامنے آجائیں، اس میں ہم کہاں تک کامیاب ہوئے، اس کا فیصلہ ہم اپنے معزز قارئین کے ذوق پر چھوڑتے ہیں!

اب ہم اختصار کے ساتھ ان حقوق کا ذکر کریں گے جو کاروبارِ حیات سے متعلق دیگر امور و معاملات میں شریعت نے طبقۂ نسواں کو عطا فرمائے ہیں:

اسلام اور تحفظ حقوقِ نسواں

اسلام جن دنوں عورت کو تاریخ میں پہلی بار کل انسانی حقوق سے نواز رہا تھا "ماکون" کی مجلس اس مسئلہ پر غور و فکر کر رہی تھی کہ عورت بغیر روح کی جسم ہے یا اس کے اندر روح بھی ہے — ؟ آخر میں انہوں نے یہ تجویز منظور کی کہ عورت کا جسم (جہنم کے عذاب سے) نجات پانے والی روح سے خالی ہوتا ہے البتہ والدہ مسیح (علیہ السلام) اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں پھر جب یورپین قوموں نے مسیحی مذہب قبول کیا تو اس دین کے حامل لوگوں کی رائیں ان پر بھی اثر انداز ہوئیں؛ چنانچہ ۵۸۶ء (یعنی ٹھیک عہد نبوی) میں فرانسیسیوں نے اس مسئلہ پر گفتگو کے لیے ایک مجلس مشاورت بلائی کہ آیا عورت انسان ہے یا نہیں؟ آخر میں ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ عورت انسان ہے البتہ اس کا مقصد تخلیق مردوں کی خدمت کرنا ہے بس!

"یہ بھی عجیب بات ہے کہ انگریزی قانون نے ۱۸۰۵ء تک مردوں کو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ وہ چاہیں تو اپنی بیویوں کو فروخت کر سکتے ہیں۔ ایک عورت کی قیمت چھ پنس (نصف شلنگ) مقرر تھی[1]!"

"چند سال پہلے ایک عجیب سانحہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ ایک اٹالین نے کسی کے

---

[1] تحفۃ العروس ص ۳۲۱، ۳۲۲۔

ہاتھ اپنی بیوی کو قسطوں پہ فروخت کیا جب خریدار باقی ماندہ قسطیں ادا نہ کر سکا تو اطالین نے اس خریدار کو مار ڈالا[1]۔"

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے لکھا ہے کہ :

"مسیحی پادریوں کا اولین بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ عورت معصیت کا سرچشمہ اور فسق و فجور کی جڑ ہے۔ مرد کے لیے اس کی حیثیت جہنم کے دروازے کی سی ہے کیونکہ وہی اس کی ساری تحریک اور سرگرمی کا نتیجہ ہے اور اسے گناہوں پر آمادہ کرتی ہے۔ انسانی مشکلات اور پریشانیوں کا بڑا سبب بھی یہی عورت ہے اور عورت جب عورت ٹھہری تو وہ کتنی ہی حسین و جمیل کیوں نہ ہو، اسے اپنے حسن و جمال کے باوجود شرم آنی چاہیے کیونکہ وہ سراپا گناہوں کے اسلحہ خانہ کا سب سے بڑا حربہ ہے، عورت کو سدا اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ زمین اور زمین والوں پہ بدبختی اور سب سے بڑی مصیبت لانے والی کوئی اور نہیں یہی ہستی ہے[2]۔"

اس کے برعکس اسلام نے جو کہ دینِ فطرت ہے، انسان کو قدرت کا سب سے حسین شاہکار قرار دیا ہے اور اس نے انسان کے دونوں پہلوؤں — مرد و عورت — کو یکساں قابلِ احترام گردانا ہے، اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی روشنی میں نیک عورت بھی اسی طرح کائنات کی سب سے قیمتی اور حسین و جمیل چیز ہے جس طرح نیک مرد اور یہ وہ ابدی حقیقت ہے، جس کا اظہار محسنِ کائنات، فخرِ موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

اَلدُّنْیَا کُلُّھَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا اَلْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ[3]۔

---

[1] المرأۃ بین الفقہ والقانون ص ۲۰، ۲۱

[2] پردہ، از سید ابوالاعلیٰ مودودی ص ۲۵۔

[3] صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۹۲۷۔

(تمام دنیا سرمایۂ زندگی ہے اور دنیا کا سب سے اچھا سرمایہ نیک عورت ہے)
صنفِ نازک کی خوبی و بہتری کے لیے اس سے بڑی شہادت تمام دنیا میں کہیں نہیں ملے گی۔ عورت کائنات کی سب سے محبوب چیز ہے ع

وجودِ زن سے ہے، تصویرِ کائنات میں رنگ

لوگوں کی فطرتِ سلیمہ میں عورت کی محبت سمو دی گئی ہے، خالقِ کائنات کا ارشادِ گرامی ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ [۱]

(لوگوں کو ان کی خواہش کی چیزیں یعنی عورتیں ۔۔۔ بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں)

تمام مذاہبِ عالم میں سے صرف اور صرف اسلام ہی وہ واحد دینِ رحمت ہے جس نے عورتوں کی فلاح و بہبود اور ان کے حقوق کی حفاظت کی پوری پوری ضمانت دی ہے۔ اسلام پہلے ہی قدم پر مرد و عورت دونوں کے اندر اس احساس اور شعور کو ابھارتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا وجود دوسرے کیلیے ناگزیر ہے، ایک کے بغیر دوسرے کی شخصیت مکمل ہی نہیں ہو سکتی، اسلام مرد کو یہ تلقین کرتا ہے کہ عورت بھی تیرا ہی ایک جزء ہے اور چیز اپنے جزء سے بے نیاز نہیں ہو سکتی جب کہ وہ عورت کو یہ بات ذہن نشین کراتا ہے کہ مرد ہی تیری اصلیت ہے اور کوئی انسان اپنی اصلیت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید نے اس فلسفہ کو نہایت سادہ اور دلنشین الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا
لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا [۲]

("وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اس سے راحت حاصل کرے")۔

شخص سے مراد ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور زوج سے مراد حضرت حوّا

---

[۱] سورۃ آل عمران: ۱۴

[۲] سورۃ الاعراف: ۱۸۹

ہیں۔ مرد و عورت میں جو باہمی محبت و الفت، شعور و احساس، اسرار و رموز، امید و عمل اور والہانہ شیفتگی و فریفتگی کے جذبات پائے جاتے ہیں، ان تمام کیفیات کی قرآن حکیم نے صرف چھ لفظوں میں بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ اس طرح منظر کشی کر دی ہے کہ اس سے بہتر نقشہ الفاظ میں کھینچا ہی نہیں جا سکتا، چنانچہ ارشادِ قدرت ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ [۱]

(وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔

میاں اور بیوی میں جو عزیزی، فطری، جذباتی اور وجدانی کیفیات کا دریا موجزن ہوتا ہے، قرآن حکیم اسے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت بلکہ اس کی نشانیوں میں سے ایک عظیم الشان قرار دیتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ [۲]

(اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی۔ جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لیے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

مرد و عورت کی اس حقیقت و اصلیت کو ذہن نشین کرانے کے بعد شریعت مطہرہ نے دونوں کے حقوق و فرائض کا تعین بھی کیا ہے اور ان کی حفاظت و نگہداشت پر از حد زور بھی دیا ہے لیکن اس وقت ہمارا موضوع چونکہ ان حقوق کا تعین ہے جو شریعت بیضا اور دین مصطفیٰ نے ہماری محترم خواتین کو عطا فرمائے ہیں لہٰذا ہماری گزارشات صرف اسی حد تک محدود اور

---

۱ البقرۃ : ۱۸۷

۲ الروم : ۲۱

اپنے موضوع کے دائرہ کے اندر رہیں گی۔
قرآن کریم اور سنت مطہرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کو بڑی تاکید کیساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے حقوق کو خواہ وہ واجب ہوں یا مستحب ادا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ کتاب و سنت کی روشنی میں یہ حقوق حسب ذیل ہیں:

۱۔ حسنِ معاشرت

مردوں کے لیے شریعت نے یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے حسنِ معاشرت کے دامن کو کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں، ہمیشہ پیار، محبت، نرمی اور شفقت کا مظاہرہ کریں، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ [۱]

اور ان کے ساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے حسنِ معاشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے اس کے مطابق ان کے ساتھ زندگی بسر کرو! ہمارے اسلاف کی پاک زندگیاں قرآن حکیم کی تفسیر تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے:

اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَتَزَیَّنَ لِاِمْرَأَتِیْ کَمَا اُحِبُّ اَنْ تَتَزَیَّنَ الْمَرْأَۃُ لِیْ [۲]

(میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کے لیے بن سنور کر رہوں، جس طرح یہ پسند کرتا ہوں کہ وہ میرے لیے بناؤ سنگھار کرے)۔

خود قرآن حکیم نے بھی ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ

---

[۱] سورۃ نساء: ۱۹

[۲] تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۹۷

دَرَجَۃٌ ؕ[1]

(اور عورتوں کا حق مردوں پر ایسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔)

ترجمان القرآن، حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی اطاعت بجالائیں، اسی طرح مردوں پر بھی یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھیں اور حسنِ صحبت ومعاشرت کا پورا پورا ثبوت دیں۔

اسی طرح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے بہت سے ارشادات میں حقوقِ نسواں پر بہت زور دیا ہے۔ حضرت عمرو بن احوص جُشَمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں حمد و ثنا اور ذکر و وعظ کے بعد فرمایا:

اَلَا وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا، فَاِنَّمَا هُنَّ عَوَانٍ عِنْدَكُمْ، لَيْسَ تَمْلِكُوْنَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذٰلِكَ[2]

(خبردار عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں تم ان کے بجز اس قیدِ (نکاح) کے کسی چیز کے مالک نہیں ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَآئِهِمْ[3]

---

[1] سورۃ البقرۃ : ۲۲۸۔

[2] سنن الترمذی، ابن ماجہ، بحوالہ منتقی الاخبار ج ۲ ص ۱۴۳۔

[3] مسند احمد، ترمذی بحوالہ منتقی الاخبار ج ۲ ص ۳۳۸۔

مومنوں میں سے سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق کا مالک ہے اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر سلوک کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقَةٍ، فَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَفِيهَا عِوَجٌ وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا، وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا [1]

(عورت کو پسلی سے پیدا کیا گیا ہے، جو کسی صورت میں سیدھی نہیں ہو سکتی، تم اسی ٹیڑھے پن کی موجودگی میں اس سے استفادہ کر سکتے ہو اور اگر اسے سیدھا کرنا چاہو تو اسے توڑ بیٹھو گے یعنی توڑ دینے سے مراد طلاق دے دینا ہے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، طیبہ وطاہرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي [2]

(تم میں سے سب سے بہترین وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہے اور میں بھی اپنے گھر والوں کے لیے بہترین ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بلاشبہ عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت، نرمی اور محبت اور عفو و درگزر کے اعتبار سے ایک مینارۂ نور تھی، آپ نے کبھی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا، کوئی سزا دینا تو بہت دور کی بات ہے بلکہ آپ نے حلم، کرم، عفو اور درگزر کے انمٹ نقوش یادگار چھوڑے ہیں۔

---

[1] السلوک الاجتماعی فی الاسلام ص ۲۰۵

[2] سنن الترمذی بحوالہ منتقی الاخبار ج ۲ ص ۳۳۸

حسنِ معاشرت ہی میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے چہرے کو ہشاش بشاش رکھے، یہ نہ ہو کہ غصے اور ناراضگی کی وجہ سے ہر وقت پیشانی پر سلوٹیں پڑی رہیں، گفتگو میں میٹھے، شیریں اور اچھے الفاظ استعمال کرے، بیوی کے ساتھ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹائے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ ازواجِ مطہرات کے ساتھ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹادیا کرتے تھے۔

۲۔ دینی تعلیم و تربیت

مرد عورت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوگا کیونکہ وہ نگہبان ہے اور ہر نگہبان سے اس کی رعایا کی بابت بازپرس کی جائے گی جیسا کہ مشہور حدیث ہے کہ:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ[1]

(تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کی بابت بازپرس ہوگی)

لہٰذا مرد پر عورت کا یہ حق ہے کہ وہ اسے طہارت، وضو، حیض و نفاس، نماز، روزہ، تلاوتِ قرآن، ذکرِ الٰہی اور اسی طرح دین سے متعلق ضروری احکام و مسائل کی تعلیم دے، اسے یہ سکھائے کہ اہل و عیال، اعزہ و اقارب اور پڑوسیوں سے کس طرح معاملہ کرنا ہے، لباس کے بارے میں شرعی تقاضے کیا ہیں؟ گفتگو کرتے ہوئے کیا آداب بلحوظِ خاطر رکھنا چاہئیں؟ الغرض مرد پر عورت کا یہ حق ہے کہ وہ اس کی دینی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے، اگر ضروری دینی مسائل سے وہ خود بھی آشنا نہ ہو تو مطالعہ کے لیے دینی لٹریچر فراہم کرے یا ثقہ علماء سے مسائل پوچھ کر اسے بتاتا رہے۔ افسوس اس باب میں مردوں کی کوتاہی کی وجہ سے ہمارے آج کے اسلامی معاشرے کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہے۔ ایک مشہور مصری مصنفہ محترمہ نعمت صدقی نے مردوں کی اس کوتاہی کا شکوہ کرتے ہوئے بجا لکھا ہے کہ:

"اس تبرج و تبذل کی وجہ سے عورتیں جس سوءِ اخلاق کا شکار ہوئی ہیں وہ محض تنہا اس کی

ذمہ دار نہیں بلکہ انہیں اس مقام تک پہنچانے میں مردوں نے بھی خصوصی کردار ادا کیا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آدمیوں کی جہالت، تجاہل یا مسئولیت کے عدم احساس ہی نے عورتوں کو اس مقام پر پہنچایا ہے کیونکہ آدمیوں پر باپ، بھائی یا خاوند ہونے کے اعتبار سے فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ عورتوں پر پابندی عائد کریں اور انہیں بے راہ روی سے روکیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔

(تم میں سے ہر ایک حاکم ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے متعلق باز پرس ہوگی)

آدمی اس بات کے بھی مامور ہیں کہ وہ عورتوں کو تہذیب، اخلاق، دین، دنیا اور آخرت کی باتیں سکھلائیں۔[1]

محترمہ نعمت صدقی آگے لکھتی ہیں:

"اے سنگ دل باپ افسوس! کہ تو نے اپنی بچیوں کی دینی تربیت کا خیال نہ رکھا اور انہیں ابدی سعادت سے محروم کر دیا۔ تو نے انہیں دنیوی ساز و سامان مہیا کرنے، اجنبی زبانیں سکھانے یورپین لوگوں کی عادتیں سکھانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا لیکن افسوس کہ تو نے انہیں اللہ کی اطاعت اور قرآن کی تعلیم نہ سکھائی، افسوس! تمہیں اور تمہاری بیٹیوں کو روزِ محشر کس قدر بدبختی اور شقاوت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

کتنے ہی خاوند اور باپ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں اور اپنی بیویوں اور بچیوں کو مخلوط مجلسوں اور شرم و حیا سے عاری لہو و لعب کے کلبوں میں بھی لیے پھرتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اپنی آنکھوں سے اپنی ان بیویوں اور بچیوں کو دیکھتے ہیں کہ انہوں نے ایسا لباس زیب تن کر رکھا ہے کہ ان کے جسم پر ہوتے ہوئے بھی وہ برہنہ ہی ہیں، خود آدمیوں کی طرف دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتی ہیں اور آدمیوں کو اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کرتی ہیں، چلتے وقت سینوں کو پھیلاتی سرینوں کو ہلاتی اور بالوں کے نت نئے نئے اسٹائل بناتی رہتی ہیں، یہ سب کچھ دیکھنے کے

---

[1] تربیت نسواں، تصنیف نعمت صدقی، ترجمہ محمد خالد سیف ص ۱۰۹ - ۱۱۰ -

باوجود ان نام کے مسلمان شوہروں یا باپوں کے منہ کبھی غیرت سے لال نہیں ہوئے بلکہ انہیں دیکھ کر وہ خوشی اور فخر کا اظہار کرتے ہیں آہ! ہم اس غیرت وحمیت سے کس قدر محروم ہوگئے ہیں، جو ہمارے اسلاف کا طرۂ امتیاز تھی [1]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اللہ تعالیٰ کے سامنے مسئولیت اور جواب دہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اپنے اہل وعیال کو نیکی کے کرنے اور برائی سے بچنے کی تلقین کرتا رہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا ط نَحْنُ نَرْزُقُكَ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى [2]

(اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اس پر قائم رہو ہم تم سے روزی کے خواستگار نہیں بلکہ تمہیں ہم روزی دیتے ہیں اور (نیک) انجام (اہل) تقویٰ کا ہے)

اس سے بھی زیادہ زوردار انداز میں اللہ رب ذوالجلال نے ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ [3]

(مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتشِ (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو ارشاد اللہ اُن کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں)

---

[1] تربیت نسواں، تصنیف نعمت صدیقی، ترجمہ محمد خالد سیف ص ۱۱۲ - ۱۱۳ -

[2] طٰہٰ: ۱۳۲

[3] التحریم: ۶

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم یہ دیا ہے کہ ہم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتشِ جہنم سے بچائیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہم اوامر الٰہی کی پابندی کریں اور نواہی سے اجتناب کریں اور اہل و عیال سے بھی اوامر و نواہی کی پابندی کرائیں، ان کا ہم پر یہ حق ہے کہ ہم انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہمیشہ تلقین کرتے رہیں۔

۴۔ مہر اور نان و نفقہ

مہر عورت کا خالص حق ہے، خاوند، باپ یا بھائی کے لیے عورت کے اس حق پر دست درازی جائز نہیں ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝[۱]

(اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں، تو اسے ذوق شوق سے کھا لو۔)

نیز فرمایا:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ۝[۲]

(اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا۔ بھلا تم ناجائز طور پر اور صریح ظلم سے اپنا مال اس سے واپس لو گے؟

اسی طرح حدیث میں ہے، میمون اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ

---

[۱] سورۃ النسآء : ۴

[۲] سورۃ النساء : ۲۰

وسلم نے فرمایا :

اَیُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةً عَلٰی مَا قَلَّ مِنَ الْمَهْرِ اَوْ کَثُرَ لَیْسَ فِیْ نَفْسِهٖ اَنْ یُّؤَدِّیَ اِلَیْهَا حَقَّهَا، خَدَعَهَا، فَاِنْ مَاتَ وَلَمْ یُؤَدِّ اِلَیْهَا حَقَّهَا لَقِیَ اللّٰهَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَهُوَ زَانٍ [1]

(جس آدمی نے کسی عورت سے کم یا زیادہ مہر پر شادی کی مگر اس کے دل میں یہ ہے کہ وہ اس کا حق مہر ادا نہیں کرنا چاہتا تو وہ اسے دھوکا دیتا اور اس کی خیانت کرتا ہے، اگر وہ فوت ہوگیا اور اس نے اس کا حق ادا نہ کیا تو روزِ قیامت اللہ کے دربار میں اسے زانی کی حیثیت سے پیش کیا جائے گا)

نان ونفقہ کی بابت ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ [2]

"مرد عورتوں پر مسلّط وحاکم ہیں، اس لیے کہ اللہ نے بعض کو سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔"

حدیث صحیح میں ہے کہ آدمی کے لیے یہی گناہ کافی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو ضائع کردے، بیوی تو اہل وعیال میں سرِفہرست ہے لہٰذا اس کے حقوق کی ادائگی پر شریعت نے بطورِ خاص زور دیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد بھی دولت باقی رہے، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور خرچ کرتے ہوئے اپنے اہل وعیال سے آغاز کرو، تمہاری بیوی بھی تمہارے اہل وعیال میں سے ہے۔

نان ونفقہ کے بارہ میں شریعت کا مطلوب ومقصود یہ ہے کہ میاں بیوی کے حالات کے مطابق ہو، نیز شریعت ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ آدمی اپنے بیوی بچوں پر جو بھی خرچ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ

---

[1] معجم طبرانی صغیر واوسط، بقول امام منذری اس کے سب راوی ثقہ ہیں، بحوالہ السلوک الاجتماعی فی الاسلام ص ۲۱۲ ۔

[2] النساء : ۳۴

ہاں اس کا اجر و ثواب ملتا ہے؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ایک دینا جسے تم اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہو، ایک وہ دینار ہے جسے تم گردن کی آزادی کے لیے خرچ کرتے ہو، ایک دینار وہ ہے جسے تم مسکین پر خرچ کرتے ہو اور ایک دینار وہ ہے جسے تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو مگر ان سب میں سے

أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِيْ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ [1]

(زیادہ اجر و ثواب اس دینار کا ملتا ہے جسے تم اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے ہو)

ہاں البتہ شریعت نے اس بات کا بھی سختی سے حکم دیا ہے کہ اہل و عیال پر جو خرچ کیا جائے وہ حلال ہو ورنہ گھر سے برکت اٹھ جائے گی۔ شریعت نے ہمیں راہ اعتدال یہ دکھائی ہے کہ خرچ میں اسراف ہو اور نہ بخل، اس اصول کو اپنا لیا جائے تو ہماری بہت سی پریشانیاں اور مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔

۵- ایذا نہ پہنچائی جائے

اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے لیے یہ حرام قرار دیا ہے کہ وہ کسی بھی دوسرے مسلمان کو اپنے قول یا عمل کے ذریعہ ایذا پہنچائے بلکہ اس کے برعکس ہر مسلمان پر یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے مسلمان بھائی کے جذبات کا احترام کرے، جب ایک عام مسلمان آدمی کے بارے میں شریعت نے ہمیں یہ حکم دیا ہے تو ان سنگدل اور سفاک شوہروں کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیے جو ہر وقت اپنی بے گناہ اور معصوم بیویوں کو آلام و مصائب کا تختۂ مشق بنائے رکھتے ہیں، انہیں کبھی بھی یہ بات فراموش نہ کرنا چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کی جو بھی حق تلفی کریں گے اور ان پر جو بھی ظلم کریں گے اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کی عدالت میں اس کا جواب دینا پڑے گا۔ عورت کو ایذا پہنچانا، حق تلفی کرنا یا اس پر ظلم کرنا تو بہت دور کی بات ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس بات سے بھی منع فرما دیا کہ

---

[1] صحیح مسلم، بحوالہ السلوک الاجتماعی فی الاسلام حسن ایوب، ص ۲۱۲ - حسن الأسوۃ، ص ۵۵۴

کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے "تیرا برا ہو" یا یہ کہے کہ "اللہ تعالیٰ تیرے چہرے کو رسوا کرے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا۔

مَا حَقُّ الْمَرْأَةِ عَلَى الرَّجُلِ ؟

عورت کا مرد پر کیا حق ہے۔

آپ نے فرمایا عورت کا مرد پر یہ حق ہے کہ:

يُطْعِمُهَا إِذَا طَعِمَ، وَيَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَى وَلَا يُقَبِّحُ الْوَجْهَ وَلَا يَضْرِبُهَا إِلَّا ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ وَلَا يَهْجُرُهَا إِلَّا فِي الْبَيْتِ[1]

(جب کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے چہرے کو برا نہ کہے، ایسی مار نہ مارے جس سے جسم پر نشان پڑ جائے اور اگر اس سے علیحدگی اختیار کرے تو یہ گھر کے حدود کے اندر ہی رہ کر کرے۔)

اسی طرح حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا سب سے زیادہ اہم خطبہ تھا آپ نے مرد و عورت کے حقوق کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَحَقُّكُمْ عَلَيْهِنَّ أَلَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ، وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ، أَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ[2]

(آگاہ رہو! تمہارے تمہاری عورتوں پر حقوق ہیں اور تمہاری بیویوں کے تم پر

---

[1] سنن ابی داؤد، صحیح ابن حبان بحوالہ حسن الاسوۃ بما ثبت من اللہ و رسولہ فی النسوۃ، نواب سید محمد صدیق حسن خانؒ، ص ۵۵۵-۵۵۶۔

[2] سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ بحوالہ حسن الاسوۃ ص ۵۵۶۔

حقوق ہیں ۔ تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہاری عزت و آبرو کی حفاظت کریں اور ایسے لوگوں کو تمہارے بستر پر قدم نہ رکھنے دیں ، جن کو تم پسند نہیں کرتے اور ایسے لوگوں کو تمہارے گھروں میں آنے کی اجازت نہ دیں جن کو تم پسند نہیں کرتے اور ان کا حق تم پر یہ ہے کہ تم خوش دلی سے انہیں کھانا اور کپڑا دو)

تاریخ اس واقعہ کو فراموش نہیں کر سکتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابو سفیان بن حرب (جو قریش کے سردار اور اس وقت تک غیر مسلم تھے وہ) فتح مکہ کی شام کو امان طلب کرنے کے لیے اپنی بیٹی کے پاس آتے ہیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی سے بچ سکیں ۔ ظاہر ہے ابو سفیان چھپ کر اور بڑی خاموشی سے آئے تھے اور انہیں پورا یقین تھا کہ مشکل کے اس وقت میں ان کی بیٹی خاطر خواہ ان کی مدد کرے گی ۔

جب ابو سفیان گھر میں آئے تو انہوں نے بچھے ہوئے بستر پر بیٹھنے کے لیے بیٹی سے اجازت لینا ضروری نہیں سمجھا ۔ اس لیے بے دھڑک گئے اور بستر پر جا کر بیٹھ گئے اور ایک سردار اور باپ کی حیثیت سے اپنے سامنے موجود بیٹی سے خطاب کرنا چاہا ۔ انہیں توقع تھی کہ جس بیٹی نے ایک عرصہ سے انہیں نہیں دیکھا ، آج اس حال میں انہیں دیکھ کر نرم ہو گی اور ان پر واری جائے گی ۔ لیکن یہ کیا نرم ہونا اور باپ کو بٹھانا تو درکنار سعادت مند بیٹی چیں بجبیں ہے اور اس بستر کو تہہ کر رہی ہے جس پر باپ بیٹھ گیا ہے ۔ کیونکہ یہ بستر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا باوقار اور سردار باپ نے تھوڑا انتظار کیا اور پھر پوچھا بیٹی ! کیا یہ بستر میرے لائق نہیں ، اس لیے تم نے اسے لپیٹ دیا ؟ یا میں بستر کے لائق نہیں ہوں ؟ ؟ بیٹی نے کسی توقف کے بغیر جھٹ کر جواب دیا ، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور تم مشرک آدمی ہو ، اس لیے میری نظر میں تم اس پر بیٹھنے کے اہل نہیں ہو ، یہ ایمان کا لگاؤ تھا ، جو ہر لگاؤ سے طاقتور ہوتا ہے ، اور یہ جوش و خروش بھی تمام تر ایمانی جوش تھا ۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کا یہ اقدام سراسر اس حدیث کا آئینہ دار ہے ، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"تم میں کوئی اس وقت تک (کامل) ایمان والا نہیں ہو سکتا ، جب تک کہ میں

اس کی نظر میں اس کے بیٹے، اس کے باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔"

بعض محدثین نے "بستر پر نہ رکھنے" کا ایک معنی یہ بھی بتایا ہے کہ غیر مردوں کو اپنے ساتھ خلط ملط نہ ہونے دیں، نہ ہی بات چیت کا موقعہ دیں۔[1]

اسلام دینِ فطرت ہے لہٰذا یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ عورتوں کو جو انسانی معاشرے کے نصف پر مشتمل ہیں، انہیں نظر انداز کر دیتا، اسلام نے عورت کو ہر حیثیت میں خواہ وہ ماں ہو یا بہن ہو یا بیوی ہو انتہائی قابلِ احترام قرار دیا اور اس کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا ہے۔

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا شخص میرے حسنِ سلوک کا زیادہ حق دار ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تیری ماں!

اس نے عرض کیا پھر کون؟

فرمایا:

تیری ماں

اس نے عرض کیا پھر کون؟

فرمایا:

تیری ماں

اس نے عرض کیا پھر کون؟

فرمایا:

تیرا باپ[2]

اسی طرح ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا ارادہ ہے

---

[1] تحفۃ العروس، علامہ محمود استانبولی، ص ۲۵۲ - ۲۵۳ - صحیح مسلم

[2] صحیح البخاری۔

کہ جہاد کروں، حضور کا مشورہ چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا کیا تیرے ماں باپ زندہ ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں فرمایا جاؤ ان کی خدمت کر کے جہاد کا ثواب کماؤ[1]

حضرت اسمؓ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

أَتَتْنِي أُمِّي رَاغِبَةً فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَأَصِلُهَا؟ قَالَ نَعَمْ[2]

(میری ماں (جو کہ مشرکہ تھیں) میرے پاس آئیں تو میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں میرے پاس آئی ہیں، وہ اسلام کی طرف راغب بھی ہیں، اجازت ہو تو میں ان سے ملوں؟ آپ نے فرمایا ضرور اپنی ماں کے ساتھ میل جول رکھو۔

اسی موقعہ پر یہ آیت مبارکہ بھی نازل ہوگئی۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ[3]

(جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اسی طرح عورت کو بہن کی حیثیت سے وہ مقام حاصل ہے، جسے انسانی شخصیت کا اہم پہلو قرار دیا جاتا ہے، بہن بھائی کے لیے سراپا دعا اور شفقت ہوتی ہے، جو افراد بہن کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں وہ عموماً نفسیاتی طور پر کسی نہ کسی کمی کا شکار ہوتے ہیں۔ اسلام

---

[1] اخرجہ الخمستہ ، حسن الاسوۃ ص ۲۶۵
[2] صحیح البخاری
[3] الممتحنہ : ۸

نے بہنوں اور بیٹیوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت قرار دیا ہے اور ان کی پیدائش کو جنت کا ذریعہ بتایا ہے۔ بہن بھائیوں کے لیے سوائے خیر کے کچھ سوچ ہی نہیں سکتی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ بہن کا احترام کیا جائے اور اس کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا جائے، اسی طرح بیٹی والدین کے لیے رحمت کا باعث ہے، جو لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے یا بیٹیوں کی پیدائش پر افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے، اسلام نے ان کی شدید طور پر مذمت کی ہے، اسلام بیٹی سے محبت، شفقت اور حسنِ سلوک کی تعلیم دیتا، بیٹیوں کے حقوق کا تعیّن کرتا اور ان کے تحفظ پر پورا پورا زور دیتا ہے ویسے بھی اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو کر نظر و فکر کے سامنے آئے گی کہ والدین اگر اپنی بیٹیوں کی صحیح تربیت کریں تو بہترین قوم کی ضمانت دینے کی اہل بن جاتی ہیں۔ عورت کو اقوام عالم نے ماضی میں نہ صرف اس کے حقوق سے محروم کر رکھا تھا بلکہ اس پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے جاتے تھے، آج کے اس مہذب دور میں بھی کئی متمدن اقوام اسے حقِ ملکیت سے محروم رکھتی ہیں لیکن اسلام نے ایک طرف باپ کی وراثت میں سے اسے حصّہ دلوایا تو دوسری طرف خاوند سے مہر دلوا کر مالی نقطۂ نظر سے اس کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔

انتخابِ شوہر

شادی خانہ آبادی اسلام کی نگاہ میں شوہر اور بیوی کا وہ پاکیزہ بندھن ہے جس پر سارے معاشرے کی بنیاد استوار ہے، اسلام سے قبل انسانیت اس باب میں بھی بہت افراط و تفریط کا شکار تھی، مذاہبِ عالم کی تاریخ میں اسلام وہ پہلا اور واحد دینِ رحمت ہے جس نے افراط و تفریط کا خاتمہ کیا اور شادی خانہ آبادی کے سلسلہ میں بھی انسانیت کو بہت ہی پاکیزہ اور سنہری اصول عطا فرمائے اور شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کے حقوق و فرائض کا باقاعدہ تحفظ کیا۔

دینِ اسلام کا طبقۂ نسواں پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہیں شوہروں کے انتخاب کے لیے دنیا کی تاریخ میں پہلی بار پوری اور مکمل آزادی دی گئی ہے اور کسی کو بھی یہ اختیار نہ دیا

کہ وہ عورت کو اس کے اس حق سے محروم کر سکے۔ حتیٰ کہ دینِ اسلام نے والدین کو بھی یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ اسے اس کے اس حق سے محروم کریں۔ عورت کو اگر دھوکا دے کر یا مجبور کر کے شادی پر آمادہ کیا گیا ہو تو شادی کے بعد بھی اسے فسخِ نکاح کا اختیار دیا ہے، چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خنساء بنت خدام الانصاریہ کے نکاح کو فسخ کر دیا تھا کیونکہ اس کے والد نے زبردستی کر کے اس کا نکاح کیا تھا[۱]۔

عورت کے حقِ اختیارِ شوہر کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات کتب حدیث میں موجود ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ أَنْ تَسْكُتَ[۲]

(بیوی کا نکاح اس سے اجازت لیے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا بھی اس کی اجازت کے بغیر نکاح نہ کیا جائے۔ لوگوں نے کہا، یا رسول اللہ! کنواری کیسے اجازت دے گی؟ فرمایا اس کی خاموشی اس کی اجازت ہے)۔

(۲) اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[۱] الاسلام وتنظیم الأسرۃ۔ ص ۹۳۔ اس حدیث کو امام بخاری، مالک، ابوداؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ، ابن الجارود، بیہقی اور احمد کے علاوہ کئی دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے تخریج کے لیے ملاحظہ فرمائیے، ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۲۹۔

[۲] صحیح البخاری ج ۳ ص ۴۳۰، صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۴۰، ابوداؤد (حدیث نمبر ۲۰۹۲) سنن نسائی ج ۲ ص ۷۸، سنن ترمذی ج ۱ ص ۲۰۶، سنن الدارمی ج ۲ ص ۱۳۸، سنن ابن ماجہ (حدیث نمبر ۱۸۷۱) منتقی ابن الجارود (حدیث نمبر ۷۰۷) سنن الدارقطنی (حدیث نمبر ۳۸۹) السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۱۹، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۰، ۲۷۹، ۴۲۵، ۴۳۴، ۴۷۵۔

اَلْاَیِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِیِّهَا وَالْبِکْرُ تُسْتَأْمَرُ وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا [1]

(بیوہ اور مطلقہ عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے نکاح کے بارے میں اجازت لی جائے گی اور اس کی خاموشی اجازت ہے)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تُسْتَأْمَرُ الْیَتِیْمَۃُ فِیْ نَفْسِهَا فَاِنْ سَکَتَتْ فَهُوَ اِذْنُهَا وَاِنْ اَبَتْ فَلَاجَوَازَ عَلَیْهَا [2]

(کنواری یتیم لڑکی کی مرضی معلوم کی جائے گی، اگر خاموش رہے تو یہی اس کی اجازت ہے اور اگر انکار کر دے تو اس پر جبر نہیں۔

(۴) اسی طرح حدیث عدی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شادی کے وقت عورتوں سے بھی ان کے بارے میں مشورہ کر لیا کرو، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا یارسول اللہ! باکرہ لڑکی شرم و حیا محسوس کرتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

الثیب تُعْرِبُ عَنْ نَفْسِهَا، وَالْبِکْرُ رِضَاهَا صُمَاتُهَا [3]

بیوہ اپنی مرضی کا اظہار کر دیتی اور کنواری کی خاموشی ہی اس کی رضامندی ہے۔

اسی طرح اور بھی بہت سے ارشاداتِ نبوی ہیں جو اس امر پر نہایت صراحت کیساتھ

---

[1] موطأ امام مالک ج ۲ ص ۵۲۴، صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۴۱، سنن ابی داؤد (حدیث نمبر ۱۰۹۸) سنن النسائی ج ۲ ص ۷۷، سنن الترمذی ج ۱ ص ۲۰۶، سنن الدارمی ج ۲ ص ۱۳۸، سنن ابن ماجہ (حدیث نمبر ۱۸۷۰) مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۴/۱، منتقی ابن الجارود (حدیث نمبر ۷۰۹) سنن الدارقطنی (حدیث نمبر ۳۹۰) السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۱۸، مسند احمد ج ۱ ص ۲۱۹۔

[2] سنن ابی داؤد (حدیث نمبر ۲۰۹۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے سلسلہ الاحادیث الصحیحہ (حدیث نمبر ۶۵۶)

[3] مسند احمد ج ۴ ص ۱۹۲، سنن ابن ماجہ (حدیث نمبر ۱۸۷۲) السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۲۳۔

روشنی ڈالتے ہیں کہ شادی میں عورتوں کی پسندیدگی کا شریعت نے پورا پورا احترام کیا ہے، انہیں اس سلسلہ میں پورا پورا حق دیا ہے، جسے ان سے کوئی سلب نہیں کر سکتا حتیٰ کہ ان کی مرضی اور منشا کے بغیر والدین یا ورثا ان کی شادی کر دیں تو انہیں فسخ نکاح کا بھی شریعت نے پورا پورا حق عطا فرمایا ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ جب خنسا بنت خذام انصاریہ کی شادی اس کے باپ نے زبردستی، اس کی مرضی کے بغیر کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فسخ کر دیا تھا

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اپنے پسماندگان میں ایک لڑکی بھی چھوڑی جو کہ خویلہ بنت حکیم بن اُمیہ بن حارثہ بن أوقص کے بطن سے تھی۔ اور انہوں نے اس بچی کی کفالت اور شادی وغیرہ کے سلسلہ میں اپنے بھائی قدامہ بن مظعون کو وصیت کی۔ حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ عثمان اور قدامہ یہ دونوں میرے ماموں ہیں، چنانچہ اس لڑکی سے شادی کرنے کے لیے میں نے اپنے ماموں قدامہ کی طرف پیغام بھیجا، انہوں نے میری پیشکش کو قبول کر کے اس لڑکی کا مجھ سے نکاح کر دیا مگر ہوا یہ کہ دوسری طرف حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بھی لڑکی کی والدہ سے رابطہ قائم کر کے شادی کی خواہش کا اظہار کیا اور اپنے مال و دولت کی طرف بھی رغبت دلائی جس کی وجہ سے لڑکی کی والدہ کا اس طرف رجحان ہو گیا کہ وہ مغیرہ بن شعبہ سے شادی کر دیں اور لڑکی کا میلان بھی یہی تھا کہ وہ اپنی ماں کی خواہش کی تکمیل کرے مگر جب اس معاملہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو قدامہ بن مظعون نے دربار رسالت میں یہ بیان دیا کہ یا رسول اللہ! یہ لڑکی میرے بھائی کی بیٹی ہے اور انہوں نے اس کے بارے میں مجھے وصیت کی تھی لہٰذا میں نے اس لڑکی کے پھوپھی زاد عبداللہ بن عمر سے اس کی شادی کر دی ہے میں نے اس کی بہتری اور کفو وغیرہ کے سلسلہ میں کوتاہی نہیں کی مگر اب اس لڑکی کا رجحان یہ ہے کہ وہ اپنی ماں کی خواہش کی تکمیل کرے۔

یہ بیان سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا:

هِيَ يَتِيمَةٌ وَلَا تُنْكَحُ إِلَّا بِإِذْنِهَا۔

(یہ یتیم لڑکی ہے، اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔

اس حدیث کے راوی عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ واللہ! مجھ سے شادی کے بعد اس عورت کو مجھ سے الگ کر دیا گیا اور لڑکی کی خواہش کے مطابق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شادی کر دی گئی۔[1]

اسی طرح کتب حدیث و سیرت میں ہمیں اور بھی کئی واقعات ایسے ملتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواتین کے نکاح فسخ کرا دیے تھے، جن کے نکاح ان کے والدین یا وارثوں نے ان کی مرضی کے بغیر کر دیے تھے۔

قبیح رسومات کا خاتمہ

اسلام سے قبل دنیا میں جو قبیح رسم و رواج تھے، جن کا خاتمہ کر کے اسلام نے انسانی معاشرے پر احسانِ عظیم فرمایا، ان میں سے ایک یہ قبیح رسم بھی تھی کہ والد کی وفات کے بعد باپ کی منکوحہ کو بھی دیگر مادی مال و اسباب کی طرح متاع تصور کیا جاتا اور بیٹا جس طرح چاہتا اس میں تصرف کرتا تھا۔ اسلام نے اس قبیح رسم کا خاتمہ کرتے ہوئے یہ حکم دیا کہ:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۤؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۤءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاۤءَ سَبِيْلًا[2]

(اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو اُن سے نکاح نہ کرنا مگر (جاہلیت میں) جو ہو چکا (سو ہو چکا) یہ نہایت بے حیائی اور (اللہ کی) ناخوشی کی بات تھی اور بہت بُرا دستور تھا۔

اسی طرح عورتوں کے زبردستی وارث بننے یا انہیں ناجائز طور پر روک رکھنے اور شادی نہ کرنے کے بارے میں جو ناروا پابندیاں عائد تھیں، ان کے بارے میں شریعت نے یہ حکم دیا کہ:

---

[1] مسند احمد ج ۲ ص ۱۳۰، سنن الدارقطنی (حدیث ۳۸۵)، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۲۰-۱۲۱، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۶۷، منتقی الاخبار ج ۲ ص ۲۷۱۔

[2] النساء : ۲۲

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ط وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ [1]

(مومنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے لو انہیں (گھروں) میں مت روک رکھنا)۔

اسلام نے عورتوں کی عزت و آبرو اور ان کے تقدس و احترام کا اس قدر لحاظ رکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ مال کمانے کے لیے اپنی باندیوں سے جسم فروشی کا مکروہ اور مذموم دھندہ کروایا کرتے تھے، اسلام نے اس سے سختی سے منع فرما دیا!

چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [2]

(اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے) دنیا وی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لیے بدکاری پر مجبور نہ کرنا اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اُن (بے چاریوں) کے مجبور کیے جانے کے بعد اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

مسئلہ طلاق پر ایک نظر

اسلام میں طلاق کو جو جائز قرار دیا گیا ہے، تو یہ بھی بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہے بشرطیکہ ان تمام احکام و قیود اور واجبات کی پابندی کی جائے جو اسلامی شریعت نے عائد کیے ہیں۔

---

[1] النسآء : ۱۹

[2] النور : ۳۳

شادی جب خاندان کے ترقی و کمال کی بنیاد و اساس ہے تو یہ ضروری ہے کہ شادی فی الواقع خانہ آبادی ثابت ہو اور خاندان کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرے، شادی خانہ آبادی کا کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونا ایک معاشرتی اور دینی ضرورت ہے، اسی کے زیر سایہ الفت و سعادت کے عناصر پروان چڑھتے اور ملک و معاشرہ ترقی کے مراحل طے کرتے ہیں لیکن مزاج اور طبائع میں اختلاف کے باعث اگر میاں بیوی کا نباہ مشکل ہو تو پھر شادی سے مقصود نتائج و ثمرات حاصل نہیں ہو سکتے لہٰذا شریعت نے اس صورت میں بامر مجبوری طلاق کی اجازت دی ہے جیسا کہ حضور اقدس علیہ السلام کا ارشاد ہے:

تَزَوَّجُوْا وَلَا تُطَلِّقُوْا، فَإِنَّ الطَّلَاقَ يَهْتَزُّ مِنْهُ عرش الرَّحْمٰنِ[1]

(شادی کرو اور طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔

قیود و حدود کے بغیر شریعت طلاق کو جائز قرار نہیں دیتی بلکہ شریعت نے اسے حفاظتِ حقوقِ زوجیت کے قوانین کے ساتھ مقید کیا ہے اور بچوں کی رعایت و مصلحت کو پیشِ نظر رکھا ہے شریعت کا منشا یہ ہے کہ میاں بیوی کو الفت و محبت، اور شفقت و سعادت کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کرنا چاہیے اور اگر خدانخواستہ اختلاف، نزاع افتراق و اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جائے تو

فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ[2]

(عورتوں کو) یا تو بطریقِ شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

یعنی اسلام نے طلاق کو صرف انتہائی ناگزیر حالات ہی میں جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰهِ الطَّلَاقُ[3]

---

[1] الاسلام وتنظیم الأسرة: ص ۱۰۱

[2] البقرة ۲۲۹

[3] تخریج اور اسنادی حیثیت کے لیے ملاحظہ فرمائیے التلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۰۵

(حلال چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ طلاق ہے)

مالی حقوق

جب تمام ادیان و مذاہب عالم نے عورت کو آلام و مصائب کا تختۂ مشق بنا رکھا اور اسے تمام حقوق سے محروم کر رکھا تھا، اسلام نے اس مظلوم کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور اسے وہ تمام حقوق عطا کیے جو اس نے مردوں کو عطا کیے تھے؛ چنانچہ یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اسلام نے زندگی سے متعلق ہر ہر شعبہ میں عورت کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا ہے خواہ وہ حقوق جانی ہوں یا مالی، جانی اور بدنی حقوق سے متعلق ہم اپنی گزارشات قبل ازیں پیش کر آئے ہیں اور اب ان مالی حقوق کا ذکر ہوگا جو اسلامی شریعت نے عورتوں کو عطا فرمائے ہیں:

اسلام نے تمام مالی امور میں مرد و عورت کو مساوی حقوق عطا کیے ہیں لہذا جب کبھی عورت سنِ رشد و بلوغت کو پہنچ جائے تو اسے بیع و شرا کا پورا پورا حق حاصل ہے، ہر طرح کی خرید و فروخت کے علاوہ اجارہ، شرکہ، رہن اور خرید و فروخت کے مسائل میں پیش آنے والے امور میں اسے بھی اسی طرح پوری پوری آزادی حاصل ہے، جس طرح مردوں کو حاصل ہے نیز اسے حقِ ولایت و وصیت بھی اسی طرح حاصل ہے، جس طرح مردوں کو حاصل ہے۔

جب اسلام آیا تو اس وقت عرب کے معاشرے میں عورتوں کو حقِ وراثت حاصل نہ تھا اسلام نے عورتوں کے حقِ میراث کو بھی تسلیم کیا اور مختلف صورتوں میں اس کے حقِ میراث کا باقاعدہ تعیّن اور تحفظ کیا ہے۔ عورت خواہ ماں ہو یا بیوی، بیٹی ہو یا بہن سب کے حقِ میراث کو شریعت نے تسلیم کیا اور اس کے تحفظ کا پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ص وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا[1]

---

[1] النساء: ۷

(جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں، تھوڑا ہو یا بہت اس میں مردوں کا بھی حصّہ ہے اور عورتوں کا بھی۔ یہ حصّے اللہ کے مقرر کیے ہوئے ہیں)

بیع و شرا، شرکہ و اجارہ میراث اور دیگر مالی حقوق سے متعلق تفصیلات موجب طوالت ہوں گی لہٰذا انہیں ہم کسی دوسری صحبت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

الغرض زندگی کے تمام شعبوں میں عورت کی استعداد کے مطابق اسلام نے اسے مناسب کردار ادا کرنے کی بھی اجازت دی ہے اور اس کے حقوق و فرائض کا نہ صرف تعین بلکہ تحفظ بھی کیا ہے حتیٰ کہ حالتِ جنگ میں بھی جنگی خدمات سرانجام دینے سے انہیں مستثنیٰ قرار نہیں دیا بلکہ جہاد میں انہیں شرکت کی مکمل آزادی دی ہے تاکہ وہ مجاہدوں کو پانی پلائیں اور شہیدوں اور زخمیوں کی مناسب دیکھ بھال کریں، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی کی ایک روایت میں ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَدْ كَانَ يَغْزُوْ بِهِنَّ فَيُدَاوِيْنَ الْجَرْحٰى وَيُحْذَيْنَ مِنَ الْغَنِيْمَةِ[1]

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوات میں خواتین کو بھی شریک کیا کرتے تھے جو کہ زخمیوں کا علاج کیا کرتی تھیں، خواتین کو مالِ غنیمت میں سے حصّہ بھی دیا جاتا تھا)

"صحیح مسلم" میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ وَكُنْتُ أُخْلِفُهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ، أَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ، وَأُدَاوِي الْجَرْحٰى، وَأَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى[2]

(میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی، میں (مجاہدین کے) سامان کی حفاظت کرتی، ان کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کا علاج کرتی اور مریضوں کی تیمارداری کرتی تھی۔)

---

[1] حسن الاسوۃ بما ثبت من اللہ و رسولہ فی النسوۃ، نواب سید محمد صدیق حسن خاں ۲۸۸

[2] ایضاً

اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور بعض دیگر خواتین کے بارے میں کتب حدیث و سیرت میں یہ صراحت موجود ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شرکت کیا کرتیں، مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج معالجہ کیا کرتی تھیں۔ مسلمان عورتوں کو جنگ میں شرکت کی اجازت دینے کے ساتھ ساتھ عورت ذات کی عزت و احترام کی بنا پر رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبہ کی صورت میں دشمن کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا تھا! چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بعض غزوات میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقتول عورت کو دیکھا تو

نَهٰى عَنْ قَتْلِ النِّسَآءِ وَالصبيان لہ

(آپؐ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرما دیا)۔

بہر آئینہ ہم نے اختصار کے ساتھ ان حقوق کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے، جو اسلام نے طبقۂ نسواں کو عطا فرمائے ہیں، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ہم وطنِ عزیز میں صحیح طور پر اور مکمل طور پر شریعتِ بیضا اور دینِ مصطفیٰ کو نافذ کر دیں تو ہماری تمام پریشانیاں دور ہو جائیں گی، مشکلات کا ازالہ ہو جائے گا اور وطنِ عزیز امن، چین اور سکون کا گہوارہ بن جائے گا۔

آج کل یہ پروپیگنڈہ بھی بہت کیا جاتا ہے کہ اسلامی شریعت کے نفاذ کے بعد عورتیں اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہو جائیں گی، ہم اپنی قابلِ صد احترام خواتین کو یقین دلاتے ہیں کہ یہ محض جھوٹا پروپیگنڈا ہے، جس میں ذرہ بھر صداقت نہیں اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ اسلام دنیا کا وہ واحد دینِ رحمت ہے جس نے تمام ادیان و مذاہبِ عالم سے بڑھ کر خواتین کے حقوق کا تحفظ کیا ہے۔

خواتین کے حقوق و فرائض اور اس محترم طبقہ سے متعلق دینِ اسلام کی کیا پاکیزہ تعلیمات ہیں؟ اس موضوع سے متعلق ایک بہت ہی اہم اور بے مثال کتاب کی طرف بھی ہم اپنے قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں تاکہ خواتین و حضرات میں سے اہلِ تحقیق اور باذوق حضرات اس

لہ حسن الاسوۃ بما ثبت من اللہ و رسولہ فی النسوۃ، نواب سید محمد صدیق حسن خاں ص ۲۸۸

سے استفادہ کر سکیں ، ہماری مراد نواب والاجاہ سید محمد صدیق حسن خاں قنوجی بخاری رحمۃ اللہ علیہ ۔ ۱۲۴۸ھ ۔ ۱۳۰۷ھ ۔ کی کتاب ۔ " حسن الأسوۃ بما ثبت من اللہ ورسولہ فی النسوۃ " جسے ڈاکٹر مصطفیٰ سعید الخن اور محی الدین مستو نے ایڈٹ کیا اور مؤسسۃ الرسالۃ بیروت نے بہت اہتمام سے زیورِ طباعت سے آراستہ کرایا ہے ، یہ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے پہلے باب میں فاضل مصنف نے قرآن مجید کے اُن ایک سو چورانوے ۱۹۴ مقامات کی تفسیر بیان فرمائی ہے ، جن میں خواتین سے متعلق حقوق و فرائض اور دیگر مسائل کا ذکر ہے ، اسی طرح دوسرے باب میں انہوں نے چار سو بیاسی ۴۸۲ ان احادیثِ مبارکہ کی تشریح و توضیح بیان فرمائی ہے ، جن میں خواتین کے مسائل کا ذکر ہے ۔

بہر حال ضرورت اس امر کی ہے اور عصرِ حاضر کا ہم سے یہ شدید تقاضا ہے کہ ایسی بلند پایہ کتابوں کو ہم اپنی زبان اردو میں منتقل کریں بلکہ ایسے تحقیقی ادارے بھی قائم کریں جو اسلامی تعلیمات اور افکار و نظریات کو غیر اسلامی تہذیبوں کی آمیزش سے پاک صاف کر کے پیش کریں تاکہ اس مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم دنیا کے سامنے یہ واضح کر سکیں کہ دینِ اسلام اور شریعتِ محمدی نے طبقۂ نسواں کو جن حقوق سے نوازا اور جس اعزاز و احترام سے سرفراز کیا ہے ، دنیا کی کسی تہذیب ، کسی قانون اور کسی دین و فلسفہ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ۔

وَآخِرُ دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین